تبصرہ کتب

مغربی زبانوں کے ماہر علماء
(علی گڑھ کالج کے قیام سے پہلے)

مولف : پروفیسر سیّد محمد سلیم
ناشر : ادارہ تعلیمی تحقیق، ۴۷-ایبک پارک، ۳-بہاول شیر روڈ، مزنگ لاہور
ماہ وسالِ اشاعت : دسمبر ۱۹۹۳ء
صفحات : ۱۵۲
قیمت : ۴۸روپے

محترم پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب مسلسل کئی برسوں سے برصغیر میں مسلمانوں کے نظامِ تعلیم و تربیّت پر لکھ رہے ہیں، اس سلسلے میں اُنہوں نے تاریخِ تعلیم کے متعدّد ایسے پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے جن پر معلومات کی کمیابی کے باعث کچھ زیادہ نہ لکھا جاسکا تھا۔

برطانوی استعماری عہد میں مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کا سبب بالعموم یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ انگریزی تعلیم کے مخالف تھے، نیز علماء کرام نے انگریزی زبان سیکھنے کے خلاف فتوے جاری کیے تھے۔ پروفیسر صاحب کے نزدیک یہ بیانات درست نہیں۔ مسلمانوں کی تعلیمی پس ماندگی کا بنیادی سبب استعماری حکمرانوں کا اُن کے خلاف معاندانہ روّیہ اور مسلم اوقاف پر اُن کا ناجائز قبضہ تھا۔ پروفیسر صاحب کے الفاظ میں "امرِواقعہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے انگریزی زبان اور انگریزی علوم کے حق میں اُس وقت آواز بلند کی جب سر سیّد احمد خان کا کہیں پتہ تھا نہ راجا رام موہن رائے کا۔" (ص ۱۸) بالعموم اوّل الذکر کو مسلمانوں میں، اور ثانی الذکر کو ہندوؤں میں جدید انگریزی تعلیم متعارف کرانے کا کریڈٹ دیا جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے علماء کرام کے خلاف پھیلائے گئے پروپیگنڈے کی حقیقت واضح کرنے کے لیے زیرِ نظر کتاب میں "اُن اصحابِ علم و فضل کا تذکرہ" مرتّب کیا ہے "جنھوں نے گزشتہ صدیوں میں مغربی زبانوں اور مغربی علوم و افکار میں دلچسپی لی۔" (ص ۱۸)

اہلِ برصغیر سے یورپی اقوام کا پہلا رابطہ پندرہویں صدی کے آخری عشرے میں ہوا جب واسکو

ڈی گاما اور اُس کے ساتھی جنوبی ہند کے ساحل پر اُترے۔ آنے والے پرتگیزوں نے فطری طور پر باہمی لین دین کے لیے مقامی زبانوں میں شد بد حاصل کی اور مقامی آبادی میں سے کچھ لوگوں نے پرتگیزی زبان سیکھی۔ تاجروں کے ساتھ یسوعی پادری مذہبی مقاصد کے لیے وارد ہند ہوئے جنھوں نے زبانوں کی تحصیل کو تاجروں کی نسبت زیادہ اہمیت دی۔ یسوعی پادریوں کے تبشیری جذبے کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے جنوبی ہند کی مقامی آبادیوں کے ساتھ ساتھ شمالی ہند میں مغل دربار تک رسائی حاصل کی۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں اُنھوں نے کوشش کی کہ مغل سربراہ حلقۂ مسیحیّت میں آجائے، اور ایک حد تک وہ اِس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ اکبر شاید بپتسمہ لے لے گا۔ سولھویں صدی کے اِن پادریوں کی تحریریں، بلکہ بائبل بھی اُن کی زبان سے فارسی میں منتقل ہوئی۔ یہ کام عبدالستار لاہوری اور ابوالفضل جیسے لوگوں نے انجام دیا تھا۔ یہ روّیہ غیر ملکی زبانوں کے بارے میں مسلم معاشرے کے اندازِ نظر کا عکاس تھا۔

پرتگیزوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ولندیزوں اور فرانسیسیوں نے برصغیر کا رُخ کیا۔ ولندیز تو یہاں رُک کر مشرقِ بعید کے جزائر کی جانب بڑھ گئے، البتہ فرانسیسی قدم جمانے کے لیے کوشاں رہے۔ سلطان ٹیپو (م ۱۷۹۹ء) نے "جمیع الامور" کے نام سے جو تعلیمی ادارہ قائم کیا، اس میں فرانسیسی موجودگی کے پیشِ نظر فرانسیسی زبان اور مغربی علوم کی تدریس کا انتظام کیا۔ اِس مقصد کے لیے فرانسیسی اہلِ علم کی خدمات حاصل کی گئیں۔

جنوبی ہند میں فرانسیسی موجودگی کے ساتھ بنگال میں انگریز تاجر مصروفِ کار تھے۔ بعدازاں جنوبی ہند میں فرانس - برطانیہ کشمکش نے جنگوں کی شکل اختیار کرلی۔ وقت انگریزوں کے حق میں تھا اور فرانسیسیوں کو برصغیر سے بوریا بستر باندھنے ہی میں عافیت نظر آئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی سرگرمیوں کے ساتھ مسیحی مبشّرین اُن کے زیرِ اختیار علاقوں میں آنے کے لیے تیار تھے، مگر تاجرانہ مفادات کے پیشِ نظر کمپنی کے اربابِ اختیار نے اُن کی مخالفت کی، اِسی طرح کمپنی کے اہلِ دانش نے مقامی زبان وادب کے مطالعے پر زور دیا، تاہم برطانوی پارلیمنٹ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے اندر مسیحیّت نواز طبقے کی آواز میں قوّت آجانے سے ۱۸۱۳ء میں مبشّرین کو برصغیر آنے اور ترویجِ مسیحیّت کا کام کرنے کی اجازت مل گئی۔ اِن مبشرین نے جدید انگریزی تعلیم کو ترویجِ مسیحیّت کے ایک ذریعے کے طور پر عام کیا۔ انیسویں صدی کے نصف اوّل میں متعدّد ادارے انگریزی زبان اور علوم کی تدریس میں مصروف تھے۔ صاحبِ اقتدار مسلمان رہنماؤں میں سے نواب غلام غوث خاں بہادر نے "مدرسہ اعظم آرکاٹ" (قیام: ۱۲۶۸ء/ ۵۲ - ۱۸۵۱ء) اور نواب سالار جنگ نے "مدرسہ عالیہ" (قیام ۱۸۵۴ء) میں انگریزی زبان اور مغربی علوم کی تعلیم کا اہتمام کیا۔

۱۸۵۷ء کی "تاریخ ساز" جدوجہد کے بعد ایم - اے - او کالج کے قیام سے مسلمانوں میں انگریزی

زبان سیکھنے والوں کی تعداد میں قابلِ لحاظ اضافہ ہوا۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے اور اس کے بعد انگریزی دانوں کے رویّے میں پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب نے یہ "عجیب بات" محسوس کی ہے کہ

> ۱۸۵۷ء سے قبل مغربی علوم کے فاضلین اپنی تہذیب و روایات سے پوری طرح منسلک نظر آتے ہیں جب کہ ۱۸۵۷ء کے بعد مغربی علوم پڑھنے والے اپنی تہذیب و روایات سے لاتعلق و بے گانہ نظر آتے ہیں۔ جوں جوں مغربی تعلیم میں آگے بڑھے، اپنی تہذیب سے بے گانہ ہوتے چلے گئے۔ دوسری اہم بات یہ نظر آتی ہے کہ سابق دور میں مغربی سائنس اور فنون سیکھنے کی طرف رجحان تھا، جدید دور میں زبان اور ادب سکھایا جاتا تھا۔

پروفیسر صاحب نے مختلف ابواب میں علاقائی اور زمانی ترتیب کے ساتھ (۱۸۷۰ء سے پہلے کے) مغرب کے ہندوستانی سیّاحوں، مغربی زبانوں سے ترجمہ کرنے والوں اور انگریزی زبان میں لکھنے والوں کا تذکرہ مرتّب کیا ہے۔ اُن لوگوں کے بارے میں درجنوں کتابوں میں منتشر معلومات کو محنت اور سلیقے کے ساتھ ایک سلسلے میں پرودیا گیا ہے۔ پروفیسر صاحب کی یہ کاوش نوجوان اہلِ علم کو دعوتِ فکر دیتی ہے کہ علم و نظر اور لگن کا معیار کیا ہونا چاہیے؟ تاہم پروفیسر صاحب کتاب کے نقشِ ثانی کو مزید بہتر صورت میں پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُن کے اِس ارادے کے پیشِ نظر چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔

* عبدالستار بن قاسم لاہوری کی مترجمہ کتاب "سمرۃ الفلاسفہ" کو "ثمرۃ الفلاسفہ" لکھا گیا ہے، جو درست نہیں۔ اس کے متعدّد نسخے دستیاب ہیں۔ سی - اے - اسٹوری نے تفصیل بہم پہنچائی ہے۔ کتاب کے تعارف کے لیے دیکھیے: حافظ احمد علی خان، (مقالہ) عبدالستار بن قاسم لاہوری: اکبری عہد کا فرنگی زبان کا مترجم، ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ)، جنوری ۱۹۲۶ء، ص ۵۴ - ۵۹

* صفحہ ۳۲ پر جس پرتگیز پادری کا ذکر "زیرونموزیویر" کے نام سے کیا گیا ہے، وہی پادری شویر ہے۔

* صفحہ ۷۰ پر Deism کا ترجمہ "خدا پرستی" کیا گیا ہے۔ اگرچہ انگریزی - اردو کتبِ لغت میں بھی بالعموم یہی ترجمہ درج کیا گیا ہے، مگر Deism کا مفہوم اِس سے واضح نہیں ہوتا۔ اِس تصوّر کے مطابق خدا موجود ہے، مگر وحی و مکاشفہ کا کوئی وجود نہیں۔ اگر آئندہ اشاعت میں Deism پر ایک نوٹ دیا جائے تو مفید ہوگا۔ اِسی سلسلے میں مزید لکھا گیا ہے کہ "ہندوستان میں یہ مسلک میلہ حق [خدا] شناسی کے نام سے متعارف ہوا۔" (ص ۷۰)

اگر یہ اشارہ ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء میں موضع چاندا پور (ضلع شاہجہانپور) میں منعقد ہونے والے "میلہ ہائے خدا شناسی" کی طرف ہے تو بات درست نہیں، کیوں کہ اِن میلوں میں شرکت والے وحی

اور الہام پر یقین رکھتے تھے، اور حقیقتاً یہ میلے مذہبی مناظرے کی ایک ترقی یافتہ صورت ہی تھے۔ ان مناظروں میں وہ فراخ دلی تک موجود نہیں تھی جو بعد میں شکاگو کی "ورلڈ پارلیمنٹ آف ریلیجنز" (۱۱-۲۸ ستمبر ۱۸۹۳ء) میں دیکھنے میں آئی تھے۔

* نواب عبدالکریم خان نواب جھجر کے سفر نامے کا ذکر ثانوی ماخذوں کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کی ترتیب و تدوین سے یہ سفر نامہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

*مرزا اعتصام الدین کے سفر نامۂ ولایت کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ شاہ عالم ثانی نے "کپتان ایس (یا کیپٹن)" کو لندن بھیجا۔ (ص ۵۴) حاشیے میں مزید وضاحت کی گئی ہے کہ "سارے سفر نامے میں (کپتان S) ہی لکھا ہوا ہے۔" (ص ۱۴۳) اس شخص کا نام Captain Swinton ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: "عالم اسلام اور عیسائیت" بابت ستمبر ۱۹۹۴ء، ص ۵-۶

*مولانا عبید اللہ عبیدی کے تذکرے میں لکھا گیا ہے کہ سیرتِ رسول اکرم ﷺ پر اُن کے رسالے سے متاثر ہو کر ٹالسٹائی نے عدمِ تشدّد کا فلسفہ اپنایا۔ یہ دعویٰ تفصیلی مطالعے کا مستحق ہے، بظاہر اِس کی تردید یا تائید کرنا مشکل ہے۔ اگر ٹالسٹائی کی کسی تحریر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے تو اِس کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

ضمناً حسین شہید سہروردی کو مولانا عبیدی کا پوتا لکھا گیا ہے۔ (ص ۱۱۷) وہ مولانا عبید اللہ عبیدی کے پوتے نہیں بلکہ نواسے تھے۔ اُن کے دادا کا نام سیّد مبارک علی ہے۔ واضح رہے کہ مولانا عبیدی اور مبارک علی دونوں بھائی تھے۔

*لکھا گیا ہے کہ بدرالدین طیب جی نے "۱۸۷۰ء میں آل انڈیا کانگریس کے دوسرے سالانہ اجلاس کی صدارت کی۔" (ص، ۱۱)

بدرالدین طیّب جی نے ۱۸۷۰ء میں انڈین نیشنل کانگرس کے سالانہ اجلاس کی صدارت نہیں کی۔ (اُس وقت تو کانگرس وجود ہی میں نہیں آتی تھی۔) درست سال ۱۸۸۷ء ہے اور وہ کانگرس کے تیسرے صدر تھے۔

*کتابت کی اغلاط یا سہو قلم نے نواب صدیق حسن خان کو صدیق علی خان (ص ۱۱۴)، پادری عمادالدین پانی پتی کو عمادالدین میرٹھی (ص ۱۱۵) اور کتاب "مسیر طالبی" کو "سیر طالبی" (ص ۵۹) بنا دیا ہے۔ کتابت میں کہیں کہیں متن اور اقتباس کے درمیان فرق نہیں ہو سکا۔ (ص ۳۱) حواشی بالعموم کتاب کے آخر میں درج کیے گئے ہیں مگر بعض صفحات میں متن کے اندر درج ہو گئے ہیں۔ (مثال کے طور پر دیکھیے: ص ۲۷) بابِ دوم کے حواشی کے آخر میں دو انگریزی سطریں بے جا نقل ہو گئی ہیں۔

اُمید ہے کتاب کا نقشِ ثانی مزید بہتر ہو گا اور دلچسپ معلومات کے اضافے کے ساتھ جلد شائع ہو گا۔ (اختر راہی)

غیر مسلموں سے میل جول کی شرعی حیثیّت

۳۲ صفحات کا یہ کتابچہ قاضی غلام محمود ہزاروی کے غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ کتابچے کے اوّلیں ۱۳ صفحات اُن کے ایک فتویٰ پر مشتمل ہیں جس میں اُن سے غیر مسلموں سے میل جول کے بارے میں سوال پوچھا گیا تھا۔ باقی کتابچے میں بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ روابط پر گفتگو کی گئی ہے۔ ہزاروی صاحب ماضی قریب کے ایک متشدّد عالم کی اِس رائے سے اتفاق رکھتے ہیں کہ "وہابیہ و غیر مقلدین و دیوبندی و مرزائی و غیرہم فرقے آج کل سب کفّار و مرتدین ہیں۔ اُن کے پاس نشست و برخاست حرام ہے۔ اُن سے میل جول حرام ہے، اگرچہ اپنا باپ یا بھائی یا بیٹے ہوں" (ص ۳۱) غیر مسلموں سے میل جول کے بارے میں یہی شدّت پسندی اُن کے افکار میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر فقہی کتب سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ "کافر کو اپنا استاد تسلیم کرنے والا بھی کافر ہے۔" (ص ۱۷) کاش اسلام میں رواداری، انسانی بنیادی حقوق کی پاس داری اور روشن مسلم تاریخ سے ایسے واقعات پیش کیے جاتے جو معاشرے کو امن اور محبت کا گہوارہ بنانے کا سبب تھے اور کسی بالغ نظر مسلمان کو اِس سے انکار نہیں کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی مسلم معاشروں کو بھائی چارے اور اخوّت و مودّت کی ضرورت ہے۔

کتابچہ ادارہ غوثیہ رضویہ کرم پارک، مصری شاہ، لاہور نے شائع کیا ہے، جو ادارے سے دو روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (ادارہ)

مراسلت

محمد اسلم رانا

مدیر ماہنامہ "المذاہب" - لاہور

"عالمِ اسلام اور عیسائیت" شمارہ ستمبر ۱۹۹۵ء کے صفحہ ۳۰ پر لکھا گیا ہے۔

مسیحی - مسلم مکالمے کے لیے مسلم تنظیمیں بھی متحرک ہیں۔ "پاکستان ایسوسی ایشن آف انٹر ریلیجس ڈائیلاگ" ۱۹۸۴ء سے اور "فیتھ اِن ایکشن گروپ" ۱۹۹۱ء سے کام کر رہا ہے۔ دونوں تنظیموں کا دائرہ کار لاہور تک محدود ہے، تاہم ملتان اور کراچی میں بھی مسلم اہلِ علم اپنی ذاتی حیثیّت میں مکالمے میں شریک ہو رہے ہیں۔ اگرچہ اِن تنظیموں کو